ترکی کا منظر نامہ

کیتھرین اے ولکنز*

تلخیص: محمد ایوب منیر

تاریخی طور پر ترکی کو مشرق اور مغرب کے درمیان پُل تسلیم کیا جاتا ہے۔ ترکی کے مشرق میں ایران، آرمینیا اور جارجیا، مغرب میں یونان اور بلغاریہ، جنوب میں عراق اور شام اور شمال میں بحیرۂ اسود نے اس کو خصوصی مقام عطا کر دیا ہے۔ ترک خود بھی کہتے ہیں کہ ہمارے ہمسائے نامناسب ہیں۔ اس حقیقت نے بڑی طاقتوں کی توجہ ترکی پر مرکوز کرادی ہے۔ اقتصادی اور فوجی امداد اسی کے سبب ممکن ہوئی ہے۔

گزشتہ نصف صدی میں مغرب کے ساتھ عسکری اتحاد نے ترکی کی جغرافیائی اور سیاسی ہئیت (outlook) متعین کی ہے۔ اگرچہ سابقہ سوویت یونین کے ساتھ اس کی ۵۹۰ کلومیٹر طویل سرحد ہے تاہم زارِ روس کے زمانے ہی سے اس کی روس سے چپقلش رہی ہے۔ سرد جنگ لڑنے والوں کے لیے ترکی ایک مناسب حلیف بن کر سامنے آیا۔ کمیونزم کو محدود رکھنے کے لیے اہلِ مغرب نے عموماً اور امریکہ نے خصوصاً فوجی اور اقتصادی امداد کے دروازے کھول دیے۔ شمالی اوقیانوس معاہدہ تنظیم (ناٹو) ۱۹۴۹ء میں وجود میں آئی۔ اس تنظیم میں واحد مسلم ریاست ترکی کی شمولیت امریکہ کی بدولت ممکن ہوئی اور عسکری قوت کے لحاظ سے امریکہ کے بعد اس کا دوسرا نمبر تھا۔

۱۹۹۰ء کے بعد بین الاقوامی منظر نامہ بدل گیا۔ روس کے زوال کے بعد اہلِ مغرب کے لیے ترکی کی وہ قدر و قیمت نہ رہی ناٹو اتحادیوں کا طرز بدلا تو ترکی کی خارجہ پالیسی میں بھی واضح تبدیلی نظر آنے لگی۔ ۵۰ سال تک جاری رہنے والی پالیسی کا رخ بدلنے لگا۔ عراق کے خلاف جنگِ خلیج اور بوسنیا کے اندر

* Katherine A. Wilkens, "Turkey Today." *Head Line Series*, Fall 1998, pp. 3 - 16

اٹھنے والے طوفان نے ترکی کو ازسرِ نو مشرق اور مغرب کے درمیان 'تہذیبی پُل' کی حیثیت دے دی۔ عراق ایران اور شام کے خلاف ترکی کو نقطۂ دباؤ (pressure point) کے طور پر استعمال کیا گیا، جب کہ بوسنیا کے مسئلے پر مسیحی ناٹو ممالک اور مسلم ممالک کے درمیان وسیع خلاء کو پُر کرنے میں ترکی کو بہترین ملک خیال کیا گیا۔ ترکی کے نوآزاد روسی ریاستوں سے مذہبی اور لسانی رشتے تھے اس لیے ایران اور روس کے ان لوگوں میں وسیع تر نفوذ کے ارادوں کے آگے بند باندھنے میں بھی ترکی کو اہم ملک تسلیم کیا گیا۔

کیمونسٹ خطرے کی عدم موجودگی میں بہت سے دانش وروں نے 'ریڈیکل اسلام' کا واویلا مچانا شروع کیا تو ترکی کے حکمرانوں نے واضح کر دیا کہ ان کی ریاست سیکولر، پروسیکولر، جمہوری اور دیگر مسلمان ریاستوں کے لیے ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے (ریڈیکل اسلام ہم سے منسوب نہ کیا جائے۔)

۱۹۹۵ء میں یورپ نے کسی حد تک اور امریکہ نے واضح طور ترکی کی سیاسی و جغرافیائی حیثیت کا ازسرِ نو ادراک کیا۔ امریکہ کی وزارتِ تجارت نے ترکی کو دس بڑی متوقع منڈیوں میں سے ایک قرار دیا۔

۱۹۹۵ء میں یورپ نے کسی حد تک اور امریکہ نے واضح طور ترکی کی سیاسی و جغرافیائی حیثیت کا ازسرِ نو ادراک کیا۔ امریکہ کی وزارتِ تجارت نے ترکی کو دس بڑی متوقع منڈیوں میں سے ایک قرار دیا۔ نائب وزیر خارجہ رچرڈ ہال بروک نے ترکی کو ''یوریشیائی براعظم میں امریکی مفاد کا اوّلین چوراہا قرار دیا''۔ امریکی مسلح افواج کے سربراہ نے زمانۂ مابعد سرد جنگ میں ترکی کو صف اوّل کے ممالک میں تسلیم کیا لیکن اسی عرصہ میں داخلی طور پر سیاسی تفریق اسلام پرستوں کی حمایت میں اضافے، فوج کردتنازعے، حکومت کی بدعنوانی اور بدانتظامی کے سبب ترکی ۱۹۹۵ء کے بعد کی پسندیدہ صورت حال سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکا۔

۱۹۹۷ء کا بے خون انقلاب

ترکی کا اندر ہی اندر پکنے والا لاوا دسمبر ۱۹۹۵ء کے انتخابات میں پھوٹ پڑا۔ تین بڑی سیاسی پارٹیوں کی الزامی سیاست کی گہما گہمی میں اسلام پرست رفاہ پارٹی نے ۲۱٫۳ فیصد ووٹ حاصل کر لیے جب کہ مسعود یلماز کی مادرِ وطن (ANAP) نے ۱۹٫۷ فیصد اور تانسو چلر کی صراطِ مستقیم پارٹی (DYP)

نے ۱۹٫۲ فیصد ووٹ حاصل کیے۔ چھ ماہ بعد رفاہ پارٹی اور صراط مستقیم پارٹی نے مخلوط حکومت بنائی۔ جون ۹۶ء میں نجم الدین اربکان ترکی کی تاریخ کے پہلے اسلامی وزیراعظم بن گئے۔ ملک کی سیاسی اور عسکری انتظامیہ نے اس کو ملک کے مستقبل کے لیے زبردست جھٹکا تصور کیا۔

ترکی کے مغرب نواز سیکولر چہرے کی محافظ فوج تصور کی جاتی ہے۔ سیکولر صراط مستقیم پارٹی سے اتحاد کرنے کے باوجود فوج کا الزام باقی رہا کہ اربکان نے ترکی کے سیکولر ڈھانچے کی نفی کی ہے۔ اربکان کا خیال تھا کہ عسا کر کو آبادی کی اکثریت کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔ دفاتر میں خواتین کے حجاب اوڑھنے کے مسئلے، معطل صوفی گروہوں سے رابطے، اسلامی ممالک سے پہلا رابطہ جوڑنے، لیبیا کے دورے جیسے امور پر افواج نے شدید اعتراض کیا۔ قومی سلامتی کونسل میں فوج کے پانچ ارکان کے علاوہ صدرِ مملکت، وزیراعظم اور کابینہ کے تین سینئر ترین ارکان شامل ہوتے ہیں۔ فوجی قیادت نے قومی سلامتی کونسل کے ذریعے نئی حکومت پر طرح طرح سے دباؤ ڈالنے کی کوششیں تھوڑی مدت بعد ہی شروع کر دیں۔ ۲۸ فروری ۹۷ء کو قومی سلامتی کونسل نے اٹھی مینم جاری کیا کہ حکومت کو ترکی کے سیکولر اصولوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔ اُس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ سرکاری دفاتر میں حجاب کے استعمال پر قانونی پابندی عائد کر دے، میڈیا کے ذریعے اسلامی پرچار بند کرے، اسلامی سرگرمیوں کی بنا پر نکالے گئے افسروں کو دوبارہ بھرتی نہ کرے اور اسلامی مدارس کی سرپرستی نہ کرے۔ ان تجاویز پر عمل درآمد کے لیے قومی سلامتی کونسل نے حتمی تاریخ بھی مقرر کر دی۔ وزیراعظم اربکان نے اپنے اقدامات کی حمایت کے لیے وسیع تر عوامی حمایت حاصل کرنا شروع کر دی۔ سیکولر انتظامیہ نے فوجی نقطہ نظر کی حمایت کی اور مغرب نواز ابلاغی اداروں نے بھی قومی سلامتی کونسل کی تجاویز کو سراہا۔ کئی ماہ کی مسلسل چپقلش اور خلفشار کے بعد نجم الدین اربکان کو استعفیٰ دینا پڑا، ایک تجزیہ نگار نے اسے ''خون آشامی سے محروم تخت سے دستبرداری'' قرار دیا۔

جون ۹۶ء میں نجم الدین اربکان ترکی کی تاریخ کے پہلے اسلامی وزیراعظم بن گئے۔ ملک کی سیاسی اور عسکری انتظامیہ نے اس کو ملک کے مستقبل کے لیے زبردست جھٹکا تصور کیا۔

جولائی ۱۹۹۷ء میں صدر سلیمان ڈیمرل نے ایک اور مخلوط حکومت کو اقتدار سنبھالنے کی دعوت دی،

(سلیمان ڈیمرل کی حکومت بطور وزیراعظم دومرتبہ فوج نے ختم کی تھی) جو مسائل ۱۹۹۲ء میں درپیش تھے وہی آج بھی ترکی کو درپیش ہیں۔ ترکی دلدل سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے تاہم مضبوط فوج اور حیران کن حد تک قابو میں رہنے والی اقتصادی حالت نے شدید اندرونی شکست وریخت کو سر اُبھارنے سے روکے رکھا۔

مصطفیٰ کمال اتاترک نے ۱۹۲۳ء میں عثمانی سلطنت کی راکھ پر جدید ریاست ترکی کی بنیاد رکھی تھی۔ عثمانیوں کی اسلامی روایت پسندی کے علی الرغم اتاترک نے مغرب سے قریبی روابط استوار کیے۔

اتاترک کا ورثہ

موجودہ حالات کے پیچھے ماضی کے حادثات بھی ہیں۔ مصطفیٰ کمال اتاترک نے ۱۹۲۳ء میں عثمانی سلطنت کی راکھ پر جدید ریاست ترکی کی بنیاد رکھی تھی۔ عثمانیوں کی اسلامی روایت پسندی کے علی الرغم اتاترک نے مغرب سے قریبی روابط استوار کیے۔ اسلامی شریعت کی جگہ یورپی لیگل کوڈ متعارف کرایا۔ مذہبی مدارس اور قاضی عدلتوں کی جگہ سیکولر ادارے وجود میں لائے گئے۔ ترکی میں موجود فارسی اور عربی الفاظ کا خاتمہ کر دیا گیا، عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط متعارف کرایا گیا۔ اتاترک نے جدید ترک'' قوم کو وجود میں لاتے ہوئے فراموش کر دیا کہ کُردوں کی معقول تعداد موجود ہے۔

کمال پرستی کے زیر سایہ اہالیان وطن سے اُمید کی گئی کہ وہ اپنی تمام شناختیں ''ترک شناخت'' کے ماتحت کر دیں۔ کُرد زبان سکھانے والے ابتدائی قاعدے کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔ اتاترک کی اصلاحات (reforms) ستر سال تک اسی طرح قابلِ احترام رہیں جس طرح کا سرکاری اکرام ماؤ ژے تنگ کے ارشادات کو چین میں اور ولادی میر لینن کے فرمودات کو سوویت یونین میں حاصل رہا۔ ترک تو مصطفیٰ کمال کو عسکری ہیرو اور تاریخی کردار سمجھتے ہیں۔ اُس کے مسلسل اثر اور ورثے کے تحفظ کو دیکھتے ہوئے ایک تجزیہ نگار نے لکھا کہ ''ترکی آخری نظریاتی ریاست ہے''۔

اگرچہ کمال پرستی کو آبادی کے بڑے حصے کا احترام حاصل ہے تاہم ۱۹۹۰ء کے بعد ایسے مسائل نے سر اُٹھایا ہے جس کا کمال پرستی کے پاس حل موجود نہیں ہے۔ بہت سے گروپ ایسے ہیں جنہوں نے نظریاتی ہوابند جیکٹ سے فرار کی کوشش کی ہے۔ اختلاف ظاہر کرنے والوں میں کُرد حضرات آگے ہیں۔

کُرد جدوجہد

ترکی، ایران، عراق اور شام میں ڈھائی سے تین کروڑ کُرد آباد ہیں۔ انہیں مشرقِ وسطیٰ کا ''سب سے بڑا بے وطن لسانی گروہ'' سمجھا جاتا ہے۔ ترکی کی آبادی ساڑھے چھ کروڑ ہے۔ اس میں کُرد سوا سے ڈیڑھ کروڑ ہیں۔ کُردستان اور ورکرز پارٹی نامی مسلح آزادی پسند گروہ نے ۱۹۸۴ء سے جنوب مشرق میں عسکری حملوں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کے مسلح اور تربیت یافتہ افراد کی تعداد کا اندازہ دس سے پندرہ ہزار ہے۔ ۱۹۹۴ء سے تین لاکھ ترکی فوجی اور نیم فوجی جوان جنوب مشرقی صوبے میں تعینات ہیں تاکہ PKK کی مزاحمت اور قوت کو ختم کریں۔ بوقت ضرورت یہ عراق یا ایران کے اندر گھس کر بھی باغیوں کے خلاف کارروائی کر گزرتے ہیں۔ باغیوں کے ساتھ مسلح عورتوں کی تعداد میں اضافے کی خبریں بھی ہیں۔ PKK قیادت یہ اعلان بارہا کر چکی ہے کہ ہم آزاد ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد نہیں کر رہے ہیں بلکہ ترکی کے اندر رہتے ہوئے وسیع تر ثقافتی، سیاسی اور انسانی حقوق کے طلبگار ہیں۔ ترکی حکومت کرد مسئلے کو ''دہشت گردی'' کا مسئلہ قرار دیتی ہے اور فوجی طور پر نپٹنے کی دعویدار ہے۔ گزشتہ پندرہ سالوں میں حکومت پچاسی ارب ڈالر اس پر خرچ کر چکی ہے۔ اندازہ ہے کہ سینتیس ہزار افراد اس جنگ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے حکومت تین ہزار کُرد دیہات خالی کرا چکی ہے تاکہ PKK باغیوں سے علاقے کو پاک کیا جا سکے اور اس عمل میں پانچ لاکھ سے بیس لاکھ افراد متاثر ہو چکے ہیں۔ کُردوں کی نصف آبادی جنوب مشرقی علاقوں سے باہر رہتی ہے۔ ترک حکومت کی مسلسل فوجی کارروائی کے باوجود باغیوں کو ختم نہیں کیا جا سکا ہے۔ اُن کی کارروائیاں جاری ہیں، ترک حکومت کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے ایک بڑی تعداد میں کُردوں کو قومی دھارے اور تعمیر و ترقی کے کاموں میں شامل کر لیا ہے۔

> اگرچہ کمال پرستی کو آبادی کے بڑے حصے کا احترام حاصل ہے تاہم ۱۹۹۰ء کے بعد ایسے مسائل نے سر اُٹھایا ہے جس کا کمال پرستی کے پاس حل موجود نہیں ہے۔

گزشتہ سالوں میں PKK نے ترک فوج، ترک شہریوں کے علاوہ مقامی مخالف کُردوں کے خلاف بھی کارروائیں کی ہیں۔ اس تنظیم کا مارکس اور لینن کی طرف رجحان ہے۔ جاندار قیادت کے نہ

ہونے اور ترکی حکومت کے کُو لے لنگڑے اقدامات نے تنظیم کی ہیئت بگاڑ کر رکھ دی ہے۔

گزشتہ دہائی سے امریکہ نے PKK کو دہشت گرد قرار دے کر انقرہ کی عسکری و اقتصادی امداد میں غیر معمولی اضافہ کر رکھا ہے۔ آئندہ امریکہ کی پالیسی کیا ہوگی، کچھ نہیں کہا جاسکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یاسر عرفات اور نیلسن منڈیلا کو طویل عرصے خطرناک دہشت گرد قرار دیا جاتا رہا اور بعد ازاں بین الاقوامی برادری نے دونوں کو امن کا عالمی انعام وصول کرتے دیکھا۔ کُرد علاقوں میں امن کب ہوگا، اس کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کوئی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔

تنہائی اور اجنبیوں کا خوف (Venophobia)

جدید دور میں ترکی کی تنہائی میں اضافہ ہوا ہے۔ پندرہ رکنی یورپین یونین نے ترکی کی ممبرشپ کے لیے دس سال قبل دی گئی درخواست رد کر دی ہے۔ انہیں ترکی کے خالصتاً یورپی نہ ہونے پر اعتراض ہے۔ اسرائیل سے فوجی اور ثقافتی تعلقات کی بدولت ترکی اسلامی بلاک سے بھی کٹ کر رہ گیا ہے۔ عرب ممالک اور ایران (بلکہ قبرص) کے لیے اسرائیل-ترکی معاہدے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں۔ ان حالات میں انقرہ کی خارجہ پالیسی کا جاندار تعین نہ ہوسکا۔

معاملاتِ سیاست، فوج کے وسیع تر عمل دخل کے باوجود اس طرز میں تبدیلی نہیں آئی ہے۔ اکثر ناکامیوں کے پیچھے عموماً ''بیرونی ہاتھ'' اور ''خفیہ دشمن'' قرار دیے جاتے ہیں۔ ترکی کی جنوبی سرحد پر ترک ریاست کے مجوزہ قیام کے پیچھے بیرونی عناصر (مثلاً امریکہ) کا ذکر بھی فوجی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

عرصہ دراز سے ترکی کی حکومت خواہاں ہے کہ وہ امریکی استعانت سے تنہائی سے باہر نکلیں۔ ترکی کو ناٹو کی پوری رکنیت بھی نہیں ملی ہے اور اولین تجارتی ساتھی مغربی یورپ کا مکمل اعتماد بھی حاصل نہیں ہوا ہے۔ امریکہ سے قُرب و تعلق کے باوجود انسانی حقوق کے ریکارڈ، کم قابل اعتماد جمہوری روایت اور قبرص و یونان سے تنازعوں کی بدولت ترکی پر تنقید ہوتی ہے، ظاہر ہے ان تینوں معاملات میں اسرائیل بھی ترکی کی مدد نہیں کرسکتا۔

باعثِ احوال

ان تمام امور کا الزام صرف ترکوں کو نہیں دیا جا سکتا۔ سوویت یونین کے زوال اور عراق ایران جنگ نے دو خطرے ٹال دیے، لیکن جو خلا پیدا ہوا اُسے پُر نہیں کیا جا سکا۔ ترکی کے مغرب میں یوگوسلاویہ کی تقسیم اور مشرق میں رُوس کے انتشار نے لسانی تنازعوں کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ اندرونی طور پر گرد قوم پرست تحریک نے ترک فوج کو غیر معمولی طور مصروف رکھا۔ معاشی عدم مساوات، عوامی غیظ و غضب اور روایتی سیاست دانوں کی بدولت ہی اسلام پرست رفاہ پارٹی کو ووٹوں میں اکثریت حاصل ہوئی اور ''اسلام اور ریاست کا تکلیف دہ مسئلہ'' سرفہرست مسئلہ بن گیا۔

آئندہ کیا ہوگا؟

قومی فضا اور عالمی فضا کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ خلفشار کی نوعیت مختلف ہے۔

اگرچہ اس کی تردید کی جاتی ہے لیکن ترکی کے پاس انتخاب (option) کم ہی ہیں۔ ترکی کا مقدر سیاسی، عسکری اور اقتصادی طور پر مغرب ہی سے وابستہ ہے۔ پچھلے پچاس برسوں نے تو یہی ثابت کیا ہے۔ اندرونی طور پر اسے جس دباؤ کا سامنا ہے اُس کا حل یہ ہے کہ ترکی جمہوریت کی مسلمہ روایات کو زیادہ پائیدار بنیادوں پر استوار کرے۔ اگر آمرانہ ماضی کی طرف لوٹنے کی کوشش کی گئی اور فوجی زبردستی کے ذریعے ہر حل مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو اس سے مملکت کے گھمبیر مسائل حل نہیں ہو سکیں گے۔

ترکی جمہوریت و استحکام کا راستہ اختیار کرے گا یا نہیں، امریکہ اسے سرسری انداز میں نہیں دیکھ سکتا۔ امریکہ اور ناٹو کے الحاقی اور اتحادی ہونے اور سرکردہ ملک (regional player) ہونے کے سبب اس کی تبدیلیاں سرحدوں کے پار اثر مرتب کریں گی۔ مضبوط ترکی انتہا پسند علاقائی ریاستوں کو نکیل ڈال سکتا ہے۔ کمزور ترکی کے خود لسانی اور سرحدی تنازعات میں ڈوب جانے کا خدشہ ہے۔ فوجی اور سیاسی قیادت ترکی کے بارے میں کیا فیصلہ کرتی ہے، اسی سے اکیسویں صدی میں ترکی کے مقام و مرتبے کا تعین ہوگا۔